شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ
رحیمیہ
لاہور

بانی : حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدّس اللّٰہُ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِاعلیٰ : حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

جنوری 2020ء / جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۴۱ھ | جلد نمبر 12، شمارہ نمبر 1 - قیمت : 20 روپے | سالانہ ممبر شپ: 200 روپے | تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

مجلس ادارت

سرپرست : ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن
صدر : مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر : محمد عباس شاد

ترتیب مضامین

- علمی استعداد کے اظہار سے خلافت کا استحقاق
- گناہ گار کی ایک علامت
- کاتبِ رسول حضرت عبداللہ بن ارقم قریشی زہریؓ
- باہم متصادم معاشرے میں سلامتی کی راہ
- انسانی کامیابی کی حقیقت (1)
- مدینہ کے محدث، فقیہ، امام ربیعۃ الرائی رحمۃ اللہ علیہ
- معاشی ترقی کا ڈھانچہ
- اقوامِ عالم میں مشرقِ وسطیٰ کی اہمیت
- مخالفت اور مزاحمت کے وقت انسان کے رویوں کا پتہ چلتا ہے
- انسانوں کے درمیان تصادم اور ٹکراؤ کا تدارک
- ماحول نظام سے بنتا ہے اور اَخلاق ماحول سے
- درست سسٹم کا قیام پڑھے لکھے طبقے کی ذمہ داری ہے
- میاں جیو نور محمد جھنجھانوی علویؒ
- حضرت مولانا محمد احمد قمر کا سانحۂ ارتحال
- دینی مسائل
- مناجات بہ درگاہِ قاضی الحاجات

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مولانا عبداللہ صاحب نے دریافت کیا کہ:

حضرت! کیا یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہو گیا ہے؟

فرمایا کہ: ’’ہمیں تو کچھ معلوم نہیں ہوتا، باقی حضرت (عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

’’جب انسان سے تمام بُرے اَخلاق اور حُبِ جاہ (نفس کی شہرت اور نمایاں ہونے کی چاہت، خواہ کسی عنوان سے ہو) وغیرہ جاتے رہیں تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ہے۔‘‘

(۳؍رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ/ 9؍جون 1951ء، بروز: ہفتہ۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 413، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

RAHIMIA INSTITUTE OF QURANIC SCIENCES (TRUST) LAHORE

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ’’ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور‘‘ اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

علمی استعداد کے اظہار سے خلافت کا استحقاق

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (33:2)

(فرمایا: اے آدم! بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام، پھر جب بتادیے اس نے ان کے نام، فرمایا: کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔)

گزشتہ آیت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر موجود اشیا و افراد فرشتوں کے سامنے پیش کیے اور پوچھا کہ ان تمام چیزوں کے نام بتلاؤ، لیکن فرشتے ان اشیا کے نام نہ بتلا سکے۔ اس لیے کہ اُن میں مٹی سے پیدا ہونے والا جسمانی وجود نہیں ہے۔ وہ زمین میں موجود اشیا کی حقیقت اور خواص نہیں جانتے تھے۔ اس پر انھوں نے اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں ان چیزوں کے نام معلوم نہیں ہیں۔

اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ انھوں نے اپنی جسمانی اور روحانی قوتوں کو بروئے کار لا کر اس کرۂ ارض پر موجود تمام اشیا کی حقیقت معلوم کی اور اُن کے نام بتلا دیے۔ اس لیے کہ حضرت آدمؑ کو روئے زمین پر موجود کھنکتی ہوئی مٹی سے بنے ہوئے اپنے جسم اور اس میں جاری روحِ ملکوتی کی صلاحیتوں کے سبب علم و فہم حاصل تھا۔ اس طرح وہ اپنے وجود کی عقلی اور عملی قوتوں کا بھرپور اظہار کر کے اپنی اس اعلیٰ استعداد اور صلاحیت کے سبب خلافت کے مستحق قرار پائے۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم و فہم کو جانچنے کے لیے یہ سوال کیا کہ خلافت سے متعلق اُمور چلانے کے لیے زمین پر موجود اشیا کے نام بیان کر کے اُن کی حقیقت واضح کرو۔ ہر ایک شئے کے استعمالات کی حقیقت و ماہیت سمجھ کر اس کے ایک مخصوص اور منفرد نام کی نشان دہی کرو۔ ہر شئے اپنی مخصوص حقیقت اور صفات کے سبب ایک منفرد اور امتیازی نام سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ چیزوں کے استعمالات کو سمجھتا ہے اور اسی نسبت سے اُن کے نام رکھتا ہے۔ جس انسان میں جس درجے کا اعلیٰ علمی ذوق اور فہم و بصیرت ہوتی ہے، اُس کے مطابق وہ اشیا کی حقیقت سمجھ کر معنویت متعین کرتا اور اُن کے نام رکھتا ہے۔ حضرت آدمؑ کی اسی خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سوال کیا۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ: حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اپنی علمی صلاحیت اور فہم و بصیرت کو بروئے کار لا کر ان اشیا کے نام بتلا دیے۔ اس سے حضرت آدمؑ کی علمی خصوصیت کا اظہار بھرپور طریقے سے فرشتوں کے سامنے آ گیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں: ''اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ثابت ہوئی۔ دیکھیے! عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم (ہیں)، مگر علم میں چوں کہ انسان سے کم ہیں، اس لیے مرتبۂ خلافت انسان ہی کو عطا ہوا اور ملائکہ نے بھی اس کو تسلیم کر لیا۔ ہونا بھی یہی چاہیے، کیوں کہ عبادت تو خاصۂ مخلوقات (مخلوق کی خصوصیت) ہے، خدا کی صفت نہیں ہے۔ البتہ علم خدائے تعالیٰ کی صفتِ اعلیٰ ہے، اس لیے قابلِ خلافت یہی (آدمؑ) ہوئے۔ کیوں کہ ہر خلیفہ میں اپنے مُستخلَف عنہٗ (جس سے اُس نے خلافت حاصل کی) کا کمال ہونا ضروری ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کی سب سے بڑی صفت علم ہے۔ اُس کا مظہر انسان ہے۔ اس کے اندر ایسی عقلی اور قلبی قوتیں ہیں، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ربط پیدا کر کے اُس منبعِ علم سے اپنی علمی پیاس کو بجھاتا ہے۔ وہ اُس کی روشنی میں اشیا میں غور و فکر کرتا اور گردو پیش کے ماحول میں نظم و نسق قائم کرتا ہے۔ امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ (بن امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) انسان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''زمین پر بسنے والا انسان وہ مخلوق ہے، جو امور سرانجام دینے کے لیے غور و فکر کرتا ہے اور اپنے استعمال کے لیے آلات تیار کرتا ہے۔'' (تکمیل الاذہان، ص:105) حضرت آدمؑ نے انسان کے استعمال میں آنے والی اشیا، یہاں تک کہ کھانے پینے کے لیے استعمال ہونے والے برتن؛ پلیٹ پیالے وغیرہ کے نام بتلا دیے اور ان کاموں سے متعلق افراد اور اُن کے کاموں کی نشان دہی کر دی کہ یہ آدمی لکڑی تراش کر اشیا بنانے والا بڑھئی ہے۔ یہ لوہے سے اشیا بنانے والا لوہار ہے۔ یہ تعمیرات کرنے والا مستری ہے۔ یہ تاجر ہے وغیرہ وغیرہ۔ حضرت آدمؑ اپنی طبیعت کے تقاضے سے ان اشیا کو پہچان گئے اور اُن کے نام بتلا دیے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ: حضرت آدمؑ کی اس اعلیٰ علمی استعداد کے اظہار کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں پر یہ بات واضح کی کہ خلافت کے استحقاق کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے۔ چوں کہ مَیں آسمانوں اور زمینوں کی چھپی ہوئی ہر شئے کا علم رکھتا ہوں، تو زمین پر میری خلافت کے استحقاق کے لیے ضروری ہے کہ وہ میرے علم کی وسعت کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتا ہو۔ جب آدم علیہ السلام میں اللہ کے منبعِ علم سے علم حاصل کرنے کی صلاحیت اور علمی وسعت کا اعلیٰ کمال ظاہر ہو چکا ہے تو انھیں ہی زمین پر خلیفہ بنایا جائے، تاکہ خلافت اور حکومت سے متعلق امور اعلیٰ علمی استعداد کے ساتھ سرانجام دیے جائیں۔

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمھاری ہر ظاہر کی جانے والی بات کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں اور تم نے دلوں میں جو کچھ چھپا رکھا تھا، اسے بھی خوب جانتا ہوں۔ تم دنیا میں محض عملی کام سرانجام دینے والی عبادت کی وجہ سے خلافت کا اپنے آپ کو مستحق سمجھ رہے تھے۔ جب کہ یہ بات ملکی نظم و نسق اور خلافت کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اُس کے لیے اعلیٰ علمی استعداد اور عملی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

گناہ گار کی ایک علامت

عن خُثیمۃؓ، قال: کُنّا جلوساً مع عبداللّٰہ بن عمروؓ، إذ جاءہٗ قھرمان لہٗ، فدخل، فقال: أعطیت الرّقیق قُوتھم؟ قال: لا، قال: فانطلق فأعطھم، قال: قال رسول اللّٰہ: ”کفٰی بالمرء إثماً أن یحبس عمّن یملک قُوتہٗ.“

(حضرت خُثیمہؓ سے روایت ہے کہ ہم عبداللہ بن عمروؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کا داروغہ آیا۔ انھوں نے پوچھا تم نے غلاموں کو ان کا خرچ دے دیا؟ اس نے کہا: نہیں۔ انھوں نے کہا: جاؤ ان کو ان کا خرچ دے دو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کو اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ جس کو خرچ دیتا ہے، اس کو روک رکھے۔“) (صحیح مسلم، 2312)

دینِ اسلام انسانی حقوق، بالخصوص ماتحتوں اور کمزوروں کے حقوق کے قیام پر خاص توجہ دیتا ہے۔ اس بابت غفلت کا شکار لوگوں کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں کوئی بھی انسان جائز حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کے نزدیک انسانی دائرے اور حقوق میں سب لوگ برابر اور یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ جن معاشروں میں انسانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کردیا جائے، قرآن نے ان کے لیے ”مُستَضعَف“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا معنی ہے؛ وہ لوگ جو درحقیقت کمزور نہیں ہیں، مگر کسی جبر سے انھیں کمزور بنا دیا جائے۔ انھیں سماجی، معاشی اور قانونی حقوق سے محروم کردیا جائے۔ ایسی صورت میں قرآن حکیم ظالم قوتوں سے مسلمانوں کو قتال تک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (75:4) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں بھی قرآن حکیم نے بنواسرائیل کو مستضعف قرار دیا ہے۔ فرعون کے سماج دشمن رویے کو بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے کہا: ”فرعون نے (مصر کی) زمین میں سرکشی کی۔ وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹا۔ ایک گروہ کو کمزور بنایا... وہ تو فساد پھیلانے والوں میں سے تھا۔“ (4:28) حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اپنے پہلے خطبے میں کہتے ہیں کہ میں اُس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھوں گا، جب تک کہ تم میں سے جو طاقت ور ہے، اس کو کمزور نہیں کردیتا اور جو کمزور ہے، اس کو طاقت ور نہیں بنا دیتا۔“ (رواہ البخاری)

زیرِ غور حدیث میں کسی کی محنت کا معاوضہ روک لینے کو نبی اکرم ﷺ نے انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے کافی قرار دیا ہے۔ اس انسان کی دیگر نیکیاں اور اعمال ایک طرف اور اس کا یہ عمل ایک طرف۔ رسول اللہؐ اس پر نہایت ناگواری کا اِظہار فرما رہے ہیں۔ ایک اَور حدیث میں آپؐ نے فرمایا: ”مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اُجرت دو۔“ (رواہ ابن ماجہ) محنت کش کو مزدوری سے محروم کرنے کی وَبا جب عمومی اور نظام کی شکل اختیار کرلے تو نہایت تباہ کن ہوجاتی ہے۔ ان آیات واحادیث کی روشنی میں یہ نظریہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام انسانی حقوق کے قیام کا علَم بردار ہے۔ وہ نظام جو کمزوروں کے حقوق کا محافظ نہ ہو، یا لوگوں کو کمزور بنائے، انھیں انسانی حقوق سے محروم کردے، وہ نظام تبدیل کیے جانے اور انقلاب لانے کے قابل ہوتا ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

کاتبِ رسول حضرت عبداللہ بن ارقم قریشی زہریؓ

حضور اقدسؐ کی والدہ حضرت آمنہ حضرت عبداللہ بن ارقم قریشی زہریؓ کے والد کی پھوپھی تھیں۔ اس طرح آپؓ رسول للہؐ کے رشتے میں بھتیجے لگتے تھے۔ آپؓ ان سلیم الفطرت لوگوں میں سے ہیں، جو فتح مکہ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور جن کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت ملی۔ حضرت عبداللہ بن ارقم رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے۔ حضورؐ کو آپؓ کی دیانت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب وہ خط لکھ کے لاتے تھے تو آپؐ اس کو پڑھوا کے سنتے بھی نہیں تھے۔ ایک بار حضورؐ کی خدمت میں کہیں سے خط آیا۔ آپؐ نے فرمایا: ”اس کا جواب کون لکھے گا؟“ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ: میں۔ چناں چہ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے اور وہ آپؐ کو نہایت پسند آیا۔ اس لیے کہ معانی اور مفاہیم کو تحریر کی شکل دینا ایک بہت اعلیٰ درجے کی استعداد ہے، جس کے بغیر نظم ونسقِ مملکت نہیں چلتا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، ان کو اس پر حیرت ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ: ”عبداللہؓ کے دل ودماغ سے جو تحریر سپردِ قلم ہوئی ہے، وہ رسول اللہؐ کی عین منشا تھی۔“

حضرت عبداللہ بن ارقمؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں بھی نظامِ حکومت کے اہم عہدوں پر ذمہ داریاں نباہتے رہے۔ وہ ملکی وقومی امور اور سرکاری مراسلت میں پوری تندہی اور جاں فشانی سے محض اخلاص کی بنیاد پر کام کرتے رہے۔ آپؓ قومی وملّی اُمور وخدمات کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ قومی اور سرکاری امور کی انجام دہی بلا معاوضہ کرتے اور اس پر کسی قسم کا انعام وصلہ لینا پسند نہ کرتے تھے۔ یہ اُسی مزاج اور تربیت کا اثر تھا، جو آپؓ کو رسول اللہؐ سے قربت ومحبت اور کامل مناسبت کی بنیاد پر ودیعت ہوا۔

پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو آپؓ نے حضرت عبداللہؓ سے میر منشی کا کام لیا، انھیں مشیرِ خاص کی ذمہ داری سونپی۔ آپؓ کی دیانت وامانت کے لحاظ سے آپؓ کو بیت المال کا افسر بھی مقرر فرمایا۔ سلاطین واُمرا کے نام خطوط حضرت عبداللہؓ ہی لکھتے تھے اور اپنی ذمہ داری پوری دیانت کے ساتھ ادا کرتے، یہاں تک کہ خفیہ مراسلات آپؓ کی تحویل میں ہوتے تھے، لیکن آپؓ انھیں کبھی کھول کر نہ دیکھتے۔ حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کی تحریر وقلم سے درست مفاہیم ومعانی کا ظہور بھی ان کی قابلیت واستعداد اور علم وحکمت اور شعوری بلندی کا اظہار ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ: ”میں نے عبداللہؓ سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔“ یہ بھی ان کے تقویٰ وباطنی خوبیوں کی ایک بڑی شہادت ہے۔

آپؓ نے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کے ابتدائی سوا سال خلافت میں اجتماعی ذمہ داریاں نبھائیں، مگر پھر استعفیٰ دے دیا اور اپنی زندگی کے دیگر امور میں مصروف رہے۔ استعفے کے بعد حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیت المال سے دیا گیا معاوضہ آپؓ نے قبول نہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن ارقمؓ زندگی کے آخری ایام میں اپنی آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے۔ آپؓ کی وفات ۳۵ھ/655ء میں ہوئی۔

www.rahimia.org

شذرات

باہم متصادم معاشرے میں سلامتی کی راہ

جنوری 2020ء میں ہم اکیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آخری سال میں داخل ہو چکے ہیں۔ نیا سال تاریخ کے دروازے پر دستک دے چکا ہے۔ جیسے جیسے وقت آگے بڑھ رہا ہے، ویسے ویسے ہم زندگی کی دوڑ میں دنیا سے پیچھے رہتے جا رہے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ دنیا کے معاشرے لاقانونیت سے قانون کی پاسداری اور بہتر سولائزیشن کی طرف بڑھے ہیں، لیکن ہمارا سفر ابھی بھی ترقی معکوس کی طرف جاری ہے۔ ہمارے معاشرے کے پڑھے لکھے طبقے باہم دست و گریباں ہیں۔ ہمارے قومی ادارے ایک دوسرے کے سامنے تنے کھڑے اور خوف ناک تصادم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہر ادارہ اور طبقہ اصولوں سے ماورا اپنے ادارے اور طبقے کے لیے قبائلی دور کی عصبیت کا شکار ہے، جس کا وہ برملا اظہار بھی کر رہا ہے اور بڑے فخر سے ان کی قربانیوں اور کارکردگی پر تقریریں اور بیانات داغے جا رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ طبقے اور مقتدر ادارے اتنے ہی پروفیشنل اور اپنی حدود کے پابند رہے ہیں تو پھر ملک اور معاشرے کے بگاڑ کا سبب کس ملک کے پروفیشنلز اور اداروں کو ٹھہرایا جائے؟

ایسی صورتِ حال میں ملک کی روایتی سیاست میں نہ تو کوئی قومی جماعت ہے اور نہ ہی کوئی ایسا قومی بیانیہ ہے، جو معاشرے کی ابتر حالت کو سدھارنے کی طرف قوم کی رہنمائی کر سکے۔ گزشتہ تیس سال سے سیاست کے قومی اُفق پر قابض رہنے والی اور عسکری اداروں کے کندھوں پر بیٹھ کر اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے والی ایک سیاسی جماعت نے اقتدار کا لولی پاپ چھن جانے کے بعد قوم کو 'ووٹ کو عزت دو' کے نعرے سے سول بالادستی کا خواب دکھایا تھا۔ قوم سے کہا گیا تھا کہ ہم ''نظریاتی'' ہو گئے ہیں اور سول بالادستی کے لیے جدوجہد کریں گے، لیکن وہ ہمیشہ کی طرح ایک جھوٹا اور جعلی پلان ثابت ہوا۔ وہ قوم کو تنہا چھوڑ کر علاج کے بہانے ملک سے فرار ہو گئے۔ باقی رہ جانے والوں نے باہر جانے کے لیے عدالتوں میں درخواستیں دائر کر رکھی ہیں۔ جنھوں نے اقتدار کی خاطر ووٹ کی عزت کو پامال کیا ہو، وہ ووٹ کو کیسے عزت دلوا سکتے ہیں؟ ایسے لوگ ووٹ کی عزت کے لیے جدجہد نہیں کیا کرتے ہیں، بلکہ راہِ فرار کے لیے پھر سے ووٹ کی عزت برباد کیا کرتے ہیں، جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔

دوسری طرف وفاق کی علامت ہونے کی دعوے دار پارٹی اپنی کرپشن کے حیران کن طریقوں کے باعث عوام کے غیض و غضب کا شکار ہو کر ملک کے ایک کونے تک محدود ہو چکی ہے۔ وہ کوئی کارکردگی دکھانے کے بجائے صرف اپنے ''شہیدوں'' کا واویلا کرتے کرتے ''شہیدوں'' کی مجاور پارٹی بن چکی ہے۔ سیاست میں مذہب کے نام پر موجود قیادت کا اس سے بھی عجب تر حال ہے کہ دھرنے کو ساری بیماریوں کا علاج گردانے والے بتائیں کہ دھرنے کے بعد قوم کے روگوں کا مداوا کیوں نہ ہوا؟ یا پھر انھوں نے قوم کو سچی بات کیوں نہ بتائی کہ معاشرے اور ملک دھرنوں سے ترقی نہیں کرتے۔ پڑوسی ملک کی شدت پسند قیادت نے جس طرح سے اپنے ملک کے مسلم عوام اور کشمیریوں کو اپنی دہشت اور جبر کا نشانہ بنا رکھا ہے، اس کا کامیاب مقابلہ سفارتی محاذ پر ہونا چاہیے، لیکن ایک مذہبی حلقے کے امیر' حکومت کو جہاد کا اعلان کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ وہ بھی بتا دیں کہ پڑوسی ملک سے جنگ لڑ کر آپ کیسے اپنے معاشرے کی بدحالی اور بگاڑ پر قابو پائیں گے؟

جب دنیا ترقی و خوش حالی کے لیے جنگوں پر قابو پانے کے طریقوں پر غور و فکر کر کے امن اور خیر سگالی کے راستے تلاش کر رہی ہو، ایسے دور میں قوم کے ذہنوں میں مذہب کے نام پر جنگوں کے بیج بونا ذہنی افلاس کے سوا کیا کہلا سکتا ہے؟ جس ملک کی دینی پارٹیوں کے شعور کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنے معاشرے کے مسائل کا شعور اور ان کے حل کا اِدراک ہی نہ رکھتی ہوں، ایسے لوگوں کے ساتھ دینی بنیادوں پر جدوجہد کے کیا معنی ہوں گے؟

حکومتی پارٹی نے پاکستانی سیاست کے حسبِ روایت خوش نما وعدوں سے عوام کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا تو عوام نے گزشتہ 20 سال سے مخصوص جماعتوں کی جاری سیاسی ڈکٹیٹرشپ اور اجارہ داری کے خلاف ووٹ دے کر انھیں کامیاب کیا۔ لیکن انھوں نے جس فرسودہ سیاست کے خلاف اعلان کیا تھا، وہ اسی کا شکار ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ گویا وہ بھی ''ہر چہ درکانِ نمک رفت، نمک شد'' کا مصداق ٹھہرے ہیں۔

پاکستان کے موجودہ ماحول میں سب سے سنجیدہ ترین سوال یہ ہے کہ اس ساری صورتِ حال میں آخر کارِ راہِ عمل کیا ہے؟ کیوں کہ گزشتہ پون صدی میں یہاں جمہوریت، مارشل لا سمیت سبھی تجربات کر لیے گئے ہیں۔ سیاسی و مذہبی جماعتوں کے ساتھ ساتھ ریاستی اداروں؛ عدلیہ، فوج اور پارلیمنٹ کا کردار بھی ہمارے سامنے ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اس وقت درپیش صورتِ حال اور اس کی اصل نوعیت کو سمجھنا سب سے اہم امر ہے، تاکہ موجودہ کشمکش میں کسی نعرے اور بڑھک کے' دھوکے سے بچا جا سکے۔ کیوں کہ بحرانوں اور تصادم کی فضا میں باہم مزاحم اور متصادم فریقوں کے بیانات اور نعرے سب سے زیادہ گمراہ کن ہوتے ہیں۔ وہ قوم کے لیے کسی بھی نئی سوچ اور راہِ عمل متعین کرنے کے راستے کا سب سے بھاری پتھر ہوتے ہیں۔

اس وقت ہم چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے ہیں؛ ایک طرف قوم بے رحم نظام کے شکنجے میں ہے اور دوسری طرف پاکستانی سیاست کا یہ عہد مخلص، باشعور قیادت اور درست نظریے کے بحران کا شکار ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک قومی درد رکھنے والا انسان ''نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن'' کی سی صورتِ حال سے دوچار ہے۔

ایسے میں قوم کی اجتماعی حالت کے حوالے سے فکرمند طبقے پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اوّل وہ عدلِ اجتماعی کے جامع نظریے کا شعوری علم حاصل کرے اور اس کے مطابق مطلوبہ سماجی و اَخلاقی تربیت کے حصول کا اہتمام کرے۔ ثانیاً تربیت یافتہ اجتماعیت قوم میں شعوری بیداری پیدا کر کے درست نظریے اور خطوط پر رہنمائی کرے، تاکہ اس جان لیوا نظام کے قلع قمع کی راہ ہموار ہو۔ اس کے سوا کوئی اَور حل نظر نہیں آتا۔ یہی راستہ ہمارے مسائل کا پائیدار حل ہے، جو مشکل ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں۔ (مدیر)

www.rahimia.org

انسانی کامیابی کی حقیقت (1)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

(امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

"حُجّۃُ اللّٰہ البالغہ کی گزشتہ تین مباحث یعنی: (۱) انسان کو قانون کا پابند بنانے کے بنیادی اسباب وعلل، (۲) انسانی اعمال کی دنیا اور آخرت میں جزا وسزا کی نوعیت اور (۳) انسانی زندگی کے ارتفاقات کی حقیقت' زیرِ نظر اس بہترین اور عمدہ "مبحث السّعادۃ" (انسانی کامیابی اور ترقی کی حقیقت) کے لیے ابتدائی اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس لیے کہ انسان کی زندگی کا خلاصہ اور اُس کا بنیادی مقصد دنیا کی ترقی اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ چوں کہ انسانی ترقی کی صحیح حقیقت اور معرفت ان گزشتہ تین مباحث میں بیان کردہ بنیادی اساسی امور یعنی بہیمیت اور ملکیت پر مشتمل انسان کی حقیقت، اُس کا نفسِ ناطقہ (روحِ ملکوتی) اور نسمہ (روحِ ہوائی)، اس کی زندگی کے ارتفاقات وغیرہ کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ اس لیے شاہ صاحبؒ نے گزشتہ تین مباحث میں اس زیرِ نظر مبحث کو سمجھنے کے اُصول وضوابط اور قواعد کو پہلے بیان کیا ہے۔")

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ" میں فرماتے ہیں: "جاننا چاہیے کہ:

(1) انسان کے کچھ کمالات ایسے ہیں کہ جو انسانی صورت کے نوعی تقاضے سے وجود میں آتے ہیں۔ (مولانا سندھیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یعنی انسان کے ایسے تقاضے جو صرف اُس کی صورتِ نوعیہ کی وَجہ سے ہوتے ہیں، جیسا کہ انسان کی بہیمیت کا نفسِ ناطقہ کے تابع فرمان ہونا اور خواہشات کا عقل کے تابع ہونا۔ یہ دو ایسے تقاضے ہیں، جو انسان کے علاوہ کسی میں نہیں پائے جاتے۔")

(2) کچھ ایسے کمالات ہوتے ہیں، جو نوعِ انسانی کی حقیقت میں موجود جنسِ قریب (حیوانی جسم) اور جنسِ بعید (نباتاتی جسم) کے سبب سے وجود میں آتے ہیں۔ (حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں: "یعنی انسان کا ایسا کمال کہ جو اُس کی جنسِ قریب اور جنسِ بعید کے تقاضے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ انسان کے ساتھ خاص نہیں ہوتا، بلکہ اس کے قریب اور بعید اجناس میں بھی پایا جاتا ہے، مثلاً لمبائی، قد وقامت کا حجم وغیرہ۔)

انسان کی ایسی ترقی اور کامیابی کہ جس کی عدم موجودگی اُس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے، اور جسے حاصل کرنا صحیح اور کامل عقل رکھنے والے لوگ اپنا پہلا اور بنیادی مقصد قرار دیتے ہیں، وہ انسانیت میں پہلے درجے کا کمال حاصل ہونا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عام طور پر کسی انسان کی درجِ ذیل صفات کی وَجہ سے تعریف کی جاتی ہے:

(1) انسان کی ایسی صفات کہ جس میں اُس کے ساتھ تمام معدنیاتی اجسام بھی شریک ہیں، جیسے جسم کی لمبائی اور قد وقامت کا بڑا ہونا۔ اگر اس حوالے سے کسی جسم کی ترقی اور کامیابی کو پیشِ نظر رکھا جائے تو بلند پہاڑ زیادہ ترقی یافتہ قرار پائیں گے۔

(2) انسان کی کچھ ایسی صفات ہیں، جن میں نباتات اُس کے ساتھ شریک ہیں، مثلاً مناسب جسمانی نشوونما، خوب صورت نقش ونگار اور تروتازگی کے آثار۔ اگر اس حوالے سے ترقی اور کامیابی کو پیشِ نظر رکھا جائے تو گلِ لالہ اور گلاب کے پھول زیادہ ترقی یافتہ اور کامیاب قرار پائیں گے۔

(3) انسان کی کچھ ایسی صفات ہیں، جن میں حیوانات بھی اُس کے ساتھ شریک ہیں، جیسے کسی کو مضبوطی سے پکڑنا، بلند آواز نکالنا، جنسی شہوت کا شدت سے ہونا، بہت زیادہ کھانا پینا، غصے، حسد اور کینہ کا وافر مقدار میں ہونا۔ اگر اس حوالے سے ترقی اور کامیابی کو پیشِ نظر رکھا جائے تو گدھا بہت زیادہ کامیاب قرار پائے گا۔

(4) انسان میں کچھ ایسی صفات ہیں، جو صرف انسان کے ساتھ ہی مخصوص ہیں، جیسے عمدہ اور بہترین اَخلاق سے مہذب ہونا، بہترین اور عمدہ ارتفاقات کا ہونا، بلند و بالا عمارات بنانا اور صنعتی ترقی حاصل کرنا۔ حکومتی جاہ ومرتبت اور طاقت وقوت حاصل کرنا۔ ظاہری طور پر یہ انسان کی ترقی اور کامیابی کے معیارات سمجھے جاتے ہیں۔ اسی لیے آپ جانتے ہیں کہ اقوامِ عالم میں ہر قوم اس بات کو اچھا سمجھتی ہے کہ اُن کے بہترین، عقل منداور بہتر رائے رکھنے والے لوگ یہی صفات حاصل کریں۔ گویا کہ ہر قوم یہ سمجھتی ہے کہ ان امور کے علاوہ قابلِ تعریف چیز اَور کوئی نہیں ہے۔

اس تمام تر بحث کے باوجود انسانی ترقی کے بنیادی امور ابھی تک پورے طور پر واضح نہیں ہوئے۔ اس لیے کہ انسانی ترقی کے یہ اُمور بھی اصولی طور پر حیوانات میں پائے جاتے ہیں۔ چناں چہ اگر ہم انسانوں کے اچھے اَخلاق میں سے شجاعت اور بہادری ہی کو لے لیں تو اس کی بنیاد' غصہ وغضب، دوسرے سے انتقام کا جذبہ، مشکلات میں ثابت قدمی اور ہلاکت خیز ماحول میں جرات اور دلیری پر مبنی اقدام وغیرہ ہیں۔ اگر یہ تمام امور کسی جانور میں پائے جائیں تو کیا اُسے جانور کی شجاعت اور بہادری کہا جاسکتا ہے؟

انسان میں ان تمام امور کو شجاعت اور بہادری تبھی کہا جاتا ہے، جب انسان کے نفسِ ناطقہ (روحِ ملکوتی) کا فیضان اُس کے تمام کاموں کو مہذب بنادے۔ اس سے یہ تمام کام کسی عقلی تقاضے سے ہوں اور مصلحتِ کلیہ اور اجتماعی تقاضوں کے تابع ہوں۔ اسی طرح صنعتی کارکردگی کا بنیادی اصول بھی حیوانات میں موجود ہے، مثلاً چڑیا بہترین انداز میں اپنا گھونسلا بُنتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایک حیوان اپنے طبعی تقاضے سے ایسی صنعتی کارکردگی دکھاتا ہے کہ جو دیگر انسانوں کے تعاون کے بغیر اکیلا انسان نہیں کرسکتا۔

اس گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ انسان کی یہ ترقی اور کامیابی عارضی ہے۔ حقیقی ترقی اور کامیابی یہ ہے کہ انسان کی بہیمیت' اس کے نفسِ ناطقہ کے تابع ہو اور اس کی خواہشات' عقل کے تابع ہوں۔ اس کا نفسِ ناطقہ اس کی بہیمیت پر غلبے کی طاقت رکھتا ہو۔ اس کی عقل اس کی خواہش پر غالب ہو۔ باقی تمام خصوصیات پیشِ نظر نہ رہیں۔

(المبحث الرّابع: مبحث السّعادۃ، باب حقیقۃ السّعادۃ)

www.rahimia.org

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

مدینہ کے محدث، فقیہ، امام ربیعۃ الرّائی رحمۃ اللہ علیہ

یہ ۵۱ھ/671ء کا واقعہ ہے کہ باپ جہاد کی غرض سے مدینہ سے ہزاروں میل دور سفر پر ہے۔ ان کی روانگی کے چند ماہ بعد اس کے ہاں ایک خوب صورت بچے کی ولادت ہوتی ہے۔ ماں نے بچے کا نام ''ربیعہ'' رکھا ہے، جس کے معنی ہیں: ''سدا بہار''۔

بچے کے روشن چہرے پر سعادت و ذہانت نمایاں ہے۔ قدرے بڑا ہوا تو ماں نے تعلیم و تربیت کے لیے ماہر اساتذہ کے سپرد کیا۔ بیٹے کی تعلیم کی خاطر اساتذہ پر مال و دولت خرچ کرتیں۔ بیٹا علم و ادب کے میدان میں جس قدر آگے بڑھتا، وہ اسی قدر انعام و اکرام میں بھی اضافہ کر دیتیں۔ وہ بیٹے کے مسافر والد کی واپسی کا بھی انتظار کرتیں اور خاوند کی لمبی جدائی سے ملول بھی ہوتیں۔ بیٹا بڑا ہوا، جوانی میں قدم رکھا تو حفظِ قرآن کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کے علوم میں مہارت حاصل کر چکا تھا۔ مسجدِ نبویؐ کی علمی مجالس میں وقت گزرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ نوجوان مسندِ تدریس پر فائز ہوئے۔ لوگ ان کے علمی حلقے میں شوق سے بیٹھتے۔ ان کی خوش بیانی، علمی وجاہت اور حیرت انگیز حافظے سے سبھی متاثر ہوتے۔

ادھر موسمِ گرما کی چاندنی رات تھی۔ ایک مجاہد تیس سال کے بعد مدینہ منورہ واپس لوٹا ہے۔ اپنے گھوڑے پر سوار مدینہ کی گلیوں میں اپنا گھر تلاش کر رہا ہے۔ تلاشِ بسیار کے بعد گھر کے سامنے پہنچا۔ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ گھر مل جانے کی خوشی میں شوق اس قدر غالب ہوا کہ اجازت لیے بغیر گھر میں داخل ہو گیا۔ جب گھر کے مالک نے دروازے پر آہٹ سنی تو بالائی منزل سے نیچے جھانکا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص تلوار لٹکائے، تیر تھامے گھر کے صحن میں کھڑا ہے۔ نوجوان یہ منظر دیکھ کر غصے سے بولا: ''اے اللہ کے دشمن! تو رات کے اندھیرے میں میرے گھر میں داخل ہوا ہے۔ لگتا ہے تیرے ارادے صحیح نہیں۔'' وہ شیر کی طرح اس پر جھپٹا اور اجنبی کو بات کرنے کا وقت ہی نہ دیا، تاہم اس نے ہمت کر کے جواب دیا کہ یہ میرا گھر ہے۔ میں اس کا مالک ہوں۔ میں نے دروازہ کھلا پایا تو اندر آ گیا۔ اسی دوران نوجوان کی والدہ سوئی ہوئی تھیں۔ شور سن کر بیدار ہوئیں۔ بالا خانے کی کھڑکی سے نیچے جھانکا تو انھیں اپنے خاوند نظر آئے، جن کی جدائی نے انھیں نڈھال کر رکھا تھا۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو آواز دی: ربیعہ! یہ تمھارے والد فروخ ہیں۔ پھر اپنے شوہر سے کہا کہ یہ تمھارا بیٹا ہے۔ جب فروخ نے یہ سنا تو خوشی سے بیٹے کو سینے سے لگایا۔ بیٹا بھی اپنے والد کے ہاتھوں اور سر کو چومنے لگا۔

اُمِ ربیعہ بالا خانے سے نیچے اُتریں۔ خاوند کو سلام کیا۔ گزرے ہوئے ماہ و سال کے حالات سنے سنائے۔ خاوند نے کہا: میں تمھارے لیے چار ہزار دینار لے کر آیا ہوں۔ تم بھی وہ دینار لاؤ جو میں جاتے ہوئے تمھارے سپرد کر گیا تھا، تاکہ ہم اس سے باغ اور زمین خرید لیں اور زندگی بھر اس سے راحت و آرام پائیں۔ یہ سن کر وہ خاموش رہیں۔ کیوں کہ وہ تو وہ درہم بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر چکی تھیں۔ (بقیہ صفحہ 11 پر)

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

معاشی ترقی کا ڈھانچہ

اٹھارہویں صدی کے دوران یورپ میں آنے والے انقلابات نے دنیا کو لبرل ازم، انڈسٹریل ازم، ملٹری ازم اور سوشلزم سے ہم کنار کیا۔ ان انقلابات نے پُرانے نظاموں کو خیر باد کہا اور دنیا کو اجتماعی نظاموں کی ایک نئی جہت سے متعارف کروایا، جو دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں پھیلتی چلی گئی۔ ان انقلابات میں قابلِ ذکر برطانیہ، فرانس، امریکا اور روس کی اقوام رہیں۔ باقی سب نے جلد یا بہ دیر ان ممالک میں چلنے والی تحریکوں سے اثرات لیے اور اپنے ماحول میں ان کو ڈھالتے چلے گئے۔ پیداواری عمل میں مشین کی موجودگی نے تنظیم اور حکمتِ عملی کو پہلے سے زیادہ اہم اور مؤثر بنا دیا ہے۔ اس تناظر میں جدید دور کی صنعتی اقوام نے بہتر سے بہتر پیداواری نتائج کے تعاقب میں مزدور کی مہارت میں اضافہ کرنے کے لیے کالج اور یونیورسٹیوں کا جال بچھایا۔ وہاں مؤثر نصابِ تربیت کا اجرا کیا۔ اسی طرح پیداواری معیشت کا مطمحِ نظر یہ بھی ہوتا ہے کہ کم خرچ مشین سے پیداواری صلاحیت میں زیادہ اضافہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے تحقیقاتی ادارے قائم کیے گئے۔ یہ ایک نہ رُکنے والا سلسلہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا اقوام نے، خصوصاً اقوامِ عالم میں نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ چناں چہ معاشی اور سیاسی حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، ان ممالک نے یا ان کے بعد اس دوڑ میں شامل ہونے والے ممالک، جیسے جاپان، جرمنی، چین اور کینیڈا وغیرہ نے صنعتی تحقیق اور ترقی میں کبھی سستی نہیں کی۔

پاکستان کی معیشت کے متعدد المیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں تحقیق اور تجزیے کی صلاحیت پیدا نہیں کی جاتی۔ چناں چہ قومی سطح کے قابلِ ذکر صنعتی منصوبے عموماً بڑی بڑی صنعتی قوتوں کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ صرف یہ نہیں، بلکہ اُن فیکٹریوں میں کام کرنے کے لیے مزدوروں میں صلاحیت بھی انھی قوتوں کی ایما پر حاصل کی جاتی ہے۔ اس لیے وہ پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوشنز کا قیام ہو، آئی ٹی کے شعبے میں تعلیمی ڈگریاں ہوں، یا لاتعداد اکاؤنٹنٹ ہوں، سب بیرونی سرمایہ کاروں اور ممالک کی ضرورت ہے۔ گزشتہ سال جب روپے کی قدر کو گرایا گیا تو امید تھی کہ برآمدات میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا، لیکن نتیجہ اس کے برعکس رہا۔ اُس کی بڑی وجہ ہماری پیداواری صلاحیت میں بہ تدریج کمی اور پُرانی ٹیکنالوجی کی مشینری بیان کی جاتی ہے۔ ایسے ہی زرعی شعبے کے ساتھ ہوا۔ رپورٹس کے مطابق 2013ء کے بعد گندم اور کپاس کے نئے بیج متعارف نہیں کروائے گئے۔ تحقیق اور تجزیے کی صلاحیت معدوم ہونے سے ہمیں کپاس کی پیداوار میں تاریخی گراوٹ کا سامنا ہے۔ دوسری جانب ہمارا دقیانوسی صنعتی ڈھانچہ ہمارا منہ چڑا رہا ہے اور ہم امریکا، چین اور روس کی منت کر رہے ہیں کہ وہ آئیں اور ایک بار پھر ہمارے صنعتی ڈھانچے میں انقلابی تبدیلیاں لائیں۔ وہ ہمارے نوجوان کو تربیت دیں، تاکہ ہم ایک بار پھر ان ممالک کے لیے پیداوار کر سکیں، جو ہمارے بے روزگار اور بھوکے نوجوان کا مستقبل بن سکے۔

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

اقوامِ عالم میں مشرقِ وسطیٰ کی اہمیت

کرۂ ارض کی پیدائش کے بعد ایک خاص انداز سے اس کی ترتیب قائم کی گئی۔ پانیوں پر پھیلے ہوئے خشکی کے ٹکڑوں کو شناخت کے لیے مختلف نام دیے گئے؛ ایشیا، افریقا، یورپ، آسٹریلیا، امریکا اور انٹارکٹیکا وغیرہ۔ ان تمام براعظموں میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے۔ انسانی زندگی کے احیا اور ارتقا کا میدانِ عمل روزِ اوّل سے مشرقِ وسطیٰ ہی رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر بنی اسماعیل کی لڑی کی آخری کڑی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پیغمبروں کی اکثریت اسی سرزمین میں بنی نوعِ انسان کی رُشد و ہدایت کا اہتمام کرتی چلی آئی ہے۔ انبیا علیہم السلام کا اپنا عہد ہو، یا ان کے متبعین کا، مشرقِ وسطیٰ کی سرزمین ہی مرکزی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ گویا دنیا میں مربوط سیاسی عمل اور جدوجہد کا مرکز یہی رہا ہے۔ اس کا جغرافیائی تعلق تمام براعظموں کے ساتھ ہمیشہ سے قائم ہے۔

گزشتہ صدی میں اگرچہ عالمی طاقت کے مراکز مشرقِ وسطیٰ سے باہر تھے؛ یورپ اور کبھی امریکا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے حصے بخرے ہوئے تو عالمی طاقتوں نے نئے وجود پانے والے ملکوں کے ساتھ اپنے مراسم مضبوط رکھنے کی حکمتِ عملی وضع کی۔ ایک دوسرے انداز سے غور کریں تو اس خطے کے ممالک کا میلان جن ملکوں کی طرف زیادہ رہا، ان کا ستارہ ہی عالمی سیاست کے اُفق پر چھایا رہا۔ جب کبھی اس میں کمی آنے لگی تو ساتھ ہی یہ ستارہ بھی گرہن آلودہ ہونا شروع ہو جاتا۔ عالمی سیاسی اُفق پر اُبھرنے والی مستقبل کی قوتیں اس امر کو بھانپتی ہوئی اسی سمت میں پیش رفت کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

27 ر نومبر 2019ء کو چین کے دارالحکومت بیجنگ میں ''مشرقِ وسطیٰ کی سلامتی'' کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے چینی وزارتِ خارجہ کے معاون وزیر نے کہا کہ آج سے دس سال قبل موجودہ چینی صدر شی جن پنگ نے ''چین۔ عرب ممالک تعاون فورم'' کے آٹھویں سالانہ اجلاس کی افتتاحی تقریب میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''چین عرب ممالک کی سلامتی کے حوالے سے مشاورت اور بات چیت کے عمل کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنے کی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہے۔''

چینی صدر کے مؤقف کی بنیادی روح کو عملی شکل دینے کے لیے ''مشرقِ وسطیٰ کی سلامتی؛ نئی تبدیلیاں، امکانات اور چیلنجز'' کے عنوان کے تحت سیمینار منعقد کیا گیا ہے۔ جس کا انعقاد چین کے ادارہ برائے بین الاقوامی مطالعہ جات نے کیا تھا۔ 30 ملکوں کے 200 سے زائد مندوبین نے اس فورم میں شرکت کی۔ معاون وزیر کا کہنا تھا کہ 2019ء کا سال چین کے لیے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ چین کی کمیونسٹ پارٹی نے گزشتہ 70 سالوں میں انتھک جدوجہد سے چین جو عالمی معیشت سے علاحدہ، پس ماندہ اور غریب ملک تھا، بدل کر کھلی معیشت، خودمختار اور عمومی خوش حالی کا حامل ملک بنا کر 70 کروڑ سے زائد انسانوں کو خوش حالی دے کر انسانی تاریخ میں معجزہ کر دکھایا ہے۔

دنیا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں مشرقِ وسطیٰ چین کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ خطے میں امن، سلامتی، استحکام اور معاشی ترقی کا حصول چینی مفادات کے تحفظ کا ذریعہ ہیں۔ بدامنی اور شورشیں خطے میں پروان چڑھتی نظر آ رہی ہیں۔ کئی ممالک سیاسی طور پر عدمِ استحکام کا شکار ہو چکے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ سمیت باقی دنیا میں چوں کہ امریکا سپر پاور کے طور پر کام کر رہا تھا، اس کی غنڈہ گردی، تعصب اور یک طرفہ اقدامات پر مبنی پالیسیوں نے خطے کے امن کو تباہ کر دیا۔ معاون وزیر کا کہنا تھا کہ: ''دنیا میں پائیدار امن کا قیام مشرقِ وسطیٰ کی سلامتی میں ہی مضمر ہے۔''

مشرقِ وسطیٰ میں بدامنی کا آغاز مسئلۂ فلسطین سے ہوا تھا۔ شام، عراق، لیبیا، مصر، یمن اور ایران اس جلاؤ گھیراؤ میں ایندھن بنائے گئے۔ رہی سہی کسر آخر میں (JCPOA) جکپوا نے پوری کر دی۔ ''مشترکہ عمل درآمد کا جامع منصوبہ'' ہی ایران کو جوہری ہتھیاروں کی تیاری سے روک سکتا ہے۔ امریکا نے اس منصوبے سے علاحدہ ہو کر خطے میں قیامِ امن کی کوششوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے اقدامات سے یہ خطہ دہشت گردی، انتہا پسندی اور علاحدگی پسندی کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ عالمی برادری کو اس عفریت سے چھٹکارا پانے کے لیے پائیدار سلامتی کے اصول پر باہمی تعاون، بلا امتیاز اقدامات، بات چیت اور مشاورت کے اصول پر مبنی مشترکہ لائحۂ عمل کی ضرورت ہے۔

مسئلۂ فلسطین کی پشت پر اسرائیل کو شہ دینے والے امریکا اور یورپ تھے، لیکن اس سازش سے عربوں کو بھی استثنیٰ نہیں دیا جا سکتا۔ یورپ کی بڑی طاقتوں برطانیہ، فرانس اور جرمنی نے اس سال کے شروع میں بارٹر نظام انسٹکس (Instex) وضع کر کے ایران کے خلاف امریکی تجارتی پابندیوں کو غیر مؤثر کر دیا ہے۔ یورپ کی مزید چھ طاقتیں؛ بیلجئم، ڈنمارک، فن لینڈ، نیدرلینڈ، ناروے اور سویڈن بھی آج انسٹکس یعنی ''تبادلہ تجارت میں سہولت کار آلہ'' (Instruments in Sport of Trade Exchanges) کے طور پر اُس کا حصہ بن گئی ہیں۔ علاقے کے دیگر ممالک میں بھی سیاسی تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ عربوں نے ایران کے ساتھ تعلقات کے چینل کھول دیے ہیں۔ عمان اور خلیجِ فارس کے ممالک بھی اس سلسلے میں آگے بڑھتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔

دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر ''لیگ آف نیشن'' کے غیر مؤثر ہونے پر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے نئے عالمی نظام کی طرف پیش رفت شروع کر دی تھی۔ اسی طرح مستقبل کی نمائندہ قوتوں نے بھی اقدامات کا آغاز کر دیا ہے، جن کی سرگرمیوں کا مرکز و محور مشرقِ وسطیٰ ہی دکھائی دیتا ہے۔ اس تناظر میں اس وقت ضرورت ہے کہ ہمیں بھی اپنی خارجہ سیاست اور پالیسیاں دنیا میں تبدیل ہوتے ہوئے منظرنامے کے مطابق ترتیب دینے کی، تاکہ ہم ماضی کی طرح دوبارہ غلط سمت کا انتخاب نہ کر بیٹھیں۔

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

مخالفت اور مزاحمت کے وقت انسان کے رویوں کا پتہ چلتا ہے

13/ دسمبر 2019ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! یہ نصیحت کا دن ہے اور نصیحت کا مطلب ہے اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو سمجھنا اور اس کے تدارُک کے لیے تدابیر اختیار کرنا۔ نصیحت کا تعلق انسانوں کے رویوں، کردار اور سیرت کے ساتھ ہوتا ہے، الفاظ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ محض الفاظ اور رسمی علوم کبھی اَخلاق پیدا کرنے کا باعث نہیں ہوتے۔ اَخلاق پیدا ہوتے ہیں احوال سے کہ آپ کی حالت کیسی ہے؟ آپ کے رویے کیسے ہیں؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ: ''میں انسانیت کے اعلیٰ اَخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔'' (سنن کبریٰ، بیہقیؒ، 20782)

آپؐ کی بعثت کا یہی مقصد ہے کہ آپؐ خاص طور پر انسانی زندگی بسر کرنے سے متعلق اعلیٰ اَخلاقیات کو کامل درجے پر عملی طور پر پختہ کریں۔ آپؐ نے کل انسانیت کے لیے ایسا ماحول، ایسا نظام اور طریقۂ کار قائم کیا، جس کے ذریعے تمام انسانیت اعلیٰ اَخلاق پر آسکتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے حالات اور رویوں کا علم اس وقت ہوتا ہے، جب لوگوں کے مفادات میں باہمی ٹکراؤ اور مخالفت پیدا ہوتی ہے۔ اَخلاق کا تبھی پتہ چلتا ہے جب مفادات کا تصادم ہوتا ہے۔ ایک آدمی گھر بیٹھ کر اپنے کسی درس و تدریس میں اعلیٰ اَخلاق کا درس دے، بہادری پر بہت اچھا لیکچر دے، اس سے اس کے اپنے رویوں کا نہیں پتہ چلے گا۔ جب وہ اکھاڑے میں اُتر کر کسی دوسرے پہلوان سے ٹکرائے گا، تب اُس کی بہادری کا اندازہ ہوگا۔ ایک آدمی سچائی کا وعظ کہے اور سچائی پر بڑی اچھی گفتگو کرے، لیکن اُس کے سچ کا پتہ تب چلے گا کہ جب وہ کسی دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ کرے گا۔ معاملے میں جب اُس کی طبیعت کے خلاف بات ہو تو وہاں وہ سچ پر قائم رہتا ہے یا جھوٹ بولتا ہے، وہاں اُس کا اندازہ ہوگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کے سامنے ایک آدمی نے کسی دوسرے کے بارے میں گواہی دی کہ وہ بہت نیک اور بہت اچھا آدمی ہے۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے اُس سے تین سوال پوچھے: کیا وہ تیرا پڑوسی ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ عمر فاروقؓ نے پوچھا کہ تُو نے اُس کے ساتھ کبھی کوئی لمبا سفر کیا ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا کہ تم نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ یا مالی لین دین کیا ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم کیسے گواہی دیتے ہو کہ یہ سچا اور نیک آدمی ہے؟ تم نے کبھی اُس کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کیا تو تمھیں کیا پتہ کہ وہ اچھا ہے یا بُرا؟ اُس کی سچائی کا تو اُس وقت پتہ چلے گا جب تمھارے ساتھ اُس کا کوئی معاملہ ہو۔ (کَنزُ العُمّال/25564) یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں، جس میں مفادات کا تصادم ہوتا ہے۔ اسی وقت پتہ چلے گا کہ انسان نیک ہے یا بد۔ یہ تین معیارات حضرت عمر فاروقؓ نے واضح کیے کہ اس سے لوگوں کے رویوں اور اَخلاق کا اندازہ ہوتا ہے۔''

انسانوں کے درمیان تصادم اور ٹکراؤ کا تدارُک

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''یہ بات طے شدہ ہے کہ انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان جب معاملات اور تعلقات طے ہوتے ہیں تو ان میں کہیں نہ کہیں اَخلاق اور رویوں کا تصادم اور ٹکراؤ ضرور ہوتا ہے۔ نظام کی تشکیل کی ضرورت بھی اس لیے پیش آتی ہے کہ جب مفادات کا ٹکراؤ ہو جائے تو اُس کو روکنے کے لیے قانون اور طریقۂ کار وضع کیا جائے، تاکہ کم سے کم تصادم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فوائد اکٹھے کیے جاسکیں۔ کیوں کہ تصادم کو نہ تو مکمل طور پر روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہر طرح سے ایسا شریفانہ نظام بنایا جاسکتا ہے کہ جس میں ہر آدمی بالکل اصیل مرغ کی طرح کسی سے کوئی ٹکراؤ نہ کرے۔ وہ تو شاید جنت میں جا کر ہی ہوگا۔ اس لیے نظام اور سسٹم کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ انسانوں کے درمیان جب اَخلاقیات کا، رویوں کا اور اعمال کا تصادم ہو تو وہ اسے روکے، ان کے مسائل کو حل کرے۔ اس سسٹم میں یہ طاقت اور توانائی ہو کہ وہ اُن معاملات کو حل کرنے کے لیے قانون، ضابطے، پروسیجرز اور عملی طریقہ ہائے کار متعین کرے، تاکہ تصادم سے بچا جاسکے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اَخلاق کی تکمیل کی بات فرمائی تو آپؐ نے اعلیٰ اَخلاق کی بنیاد پر ایک مکمل نظام تشکیل دیا۔ مکہ کے فرسودہ نظام میں طاقت ور اپنے تشدد کے بل بوتے پر جو چاہتا، نتائج حاصل کرتا تھا۔ بے چارہ کمزور اپنے حقوق سے محروم رہتا۔ نبی اکرمؐ نے اس معاشرے کے لیے پورا عدالتی پروسیجر دیا۔ قانونی نظام بنایا۔ سیاسی طریقۂ کار وضع کیا۔ انسانی سوسائٹی کی مینجمنٹ اور اس کے سسٹم کے امور واضح کیے۔ آپؐ نے زبانی کلامی صرف وعظ ہی نہیں کہا، بلکہ آپؐ نے مکہ میں موجود مفادات کے سسٹم کے خلاف مزاحمتی شعور دیا۔ آپؐ نے بداَخلاقی پر مبنی سسٹم کو توڑا۔ مدینہ منورہ میں جا کر ایک معیاری اور نمونے کا قومی اور ریاستی نظام بنایا۔ اس نظام میں یہ بات طے کر دی کہ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب ہر انسان کا جب بھی کسی دوسرے انسان سے کسی بھی شعبے سے متعلق معاملات میں تصادم ہو جائے تو ایسے موقع پر عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرو۔ چاہے وہ مسلمانوں کے درمیان تصادم ہو یا مسلمان اور غیرمسلم کے درمیان ہو۔ رنگ، نسل اور مذہب سے بالاتر ہو کر معاملات سے متعلق اس تصادم کا حل عدل و انصاف کے معیار کے مطابق کرو۔ ریاست کے داخلی نظام میں امن برقرار رکھو۔

ایک ڈاکٹر کو انسانی جسم کا علاج طبقاتی سوچ سے اوپر اُٹھ کر کرنا ہے۔ اگر وہ اس سوچ سے علاج کرنے لگے تو سوسائٹی میں تصادم بڑھے گا۔ ایسے ہی عدالت اور قانون کی حفاظت کرنے والوں کا بھی فرض ہے کہ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب انصاف فراہم کرنے کے لیے کردار ادا کریں۔ لیکن اگر وہ خود ہی قانون کو اپنے ہاتھوں روندیں تو بداَمنی پیدا ہوگی۔ لڑائی اور ٹکراؤ ہوگا۔ اس سے سسٹم کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ بہتر سسٹم سے ہی انسانی سوسائٹی میں اَخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں! جہاں سسٹم خراب ہوتا ہے، وہاں اَخلاق بھی خراب ہو جاتے ہیں۔''

www.rahimia.org

ماحول نظام سے بنتا ہے اور اَخلاق ماحول سے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ دوڈھائی سوسال سے ہمیں جن اَخلاقیات کا وعظ کہا جارہا ہے، وہ بڑا ہی سطحی، ناقص اورادھورا ہے۔ ہر مسجد میں وعظ ہوتا ہے کہ اَخلاق اچھے بنالو۔ ہرفرد انفرادی طور پر نیک ہوجائے۔ ہرڈاکٹر نیک ہوجائے، ہر وکیل نیک ہوجائے، ہر انجینئر نیک ہوجائے، ہرآدمی اپنی اپنی جگہ پر نیک ہوجائے تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ جب کہ انسانوں کے درمیان مزاحمت اور تصادم کے حل کا کوئی سسٹم نہیں بنایا جاتا۔

اصل طاقت نظام کی ہوتی ہے، جس سے اَخلاق بنتے ہیں۔ مسلمانوں کا جب تک دنیا میں غلبہ رہا، انھوں نے ایسا سسٹم قائم رکھا، جس کے ذریعے سے اَخلاقیات کا عملی اور قانونی نظام غالب رہا۔ تمام صوفیا نے حکمرانوں اور طاقت وروں کے خلاف مزاحمتی شعور اسی لیے دیا کہ وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہ کریں۔ تصادم کے وقت کسی ایک فریق کے حصے دار بن کر ظلم وستم میں شامل نہ ہوں۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ اور ان کے بعد سے لے کر ہندوستان کے آخری فقیہ اورنگزیب عالم گیرؒ تک تمام فقہا نے جتنی بھی قانون سازی کی، آپ دیکھئے کہ ان کی مرتب کی ہوئی تمام کتابیں اور ان کا بنایا ہوا پورا قانونی نظام اسی بنیاد پر ہے کہ معاملات عدل وانصاف کی بنیاد پر حل ہوں اور تصادم کے وقت اَخلاقیات کے قانونی معیارات کو برقرار رکھا جائے۔

جب سے مسلمانوں کا زوال شروع ہوا تو تصادم روکنے کے اسی قانونی نظام کو انگریز سامراج نے آکر توڑا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی یہاں کاروبار اور تجارت کے لیے ایک قانونی ایگریمنٹ کے ذریعے سے آئی تھی۔ مغل حکمرانوں سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ یہاں صرف کاروبار کریں گے۔ چوں کہ قانونی نظام میں بین الاقوامی سطح پر کسی خاص نسل یا مذہب والے کو تجارت سے روکا نہیں جاسکتا، اس لیے اُسے ہندوستان میں کاروبار کی اجازت دی گئی۔ آپ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پوری تاریخ دیکھئے کہ اُس نے معاہدات کو توڑ کر طاقت اور تشدد کے بل بوتے پر، غداری اور دھوکا دہی کے ذریعے پورے ہندوستان پر بہ تدریج قبضہ جمایا۔ جس کے نتیجے میں اُس نے ہندوستان میں انسانی تصادم کو حل کرنے کا نظام بنانے کے بجائے ’’تقسیم کرو اور حکومت کرو‘‘(Devide & Rule) کی سیاست کے تحت تصادم کروا کرا اپنے مفادات حاصل کرنے کا سسٹم تشکیل دیا۔ بہ ظاہر خوش نما عنوان ہے کہ انگریز نے قانون اور نظام بنایا، لیکن اُس نے سسٹم میں ایسی خرابی رکھ دی کہ جس کے ذریعے سرمایہ دارانہ مفادات اٹھانے اور لوٹ مار کا کام شروع کردیا گیا۔ کیوں کہ مقصد اس ’’سونے کی چڑیا‘‘ (برعظیم پاک و ہند) کو لوٹنا تھا۔ یہ لوٹنا تبھی ممکن تھا، جب زیادہ سے زیادہ مقدمے بازی ہو۔ خطے کے مختلف حصوں میں زیادہ سے زیادہ تصادم ہو۔ مختلف شعبوں کے درمیان لڑائی اور دنگا فساد برپا ہو۔ اس کے اثرات سے ہمارے اَخلاق بھی بگڑ گئے۔ آج ہم بھی ہر چیز طاقت اور تشدد کی بنیاد پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی واضح مثال ہمیں پچھلے دنوں وکلا اور ڈاکٹرز کے تصادم کی صورت میں ملتی ہے۔‘‘

درست سسٹم کا قیام پڑھے لکھے طبقے کی ذمہ داری ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’ہمارے ہاں خطباتِ جمعہ میں کمزور اور بے مقصد قصے سنائے جاتے ہیں۔ قانون اور ضابطہ یا ایک نظم وضبط کی پابند قوم بنانے کے لیے دین اور اَخلاق کا قانونی نظام اور کوئی طریقۂ کار نہیں بیان کیا جاتا۔ حضورؐ نے اپنی سوسائٹی کے لیے جو سسٹم بنایا، اس کا تذکرہ تک نہیں کیا جاتا۔ کیوں کہ حضورؐ کے بنائے ہوئے سسٹم کی بات کریں گے اور وکیلوں کی لوٹ کھسوٹ بتلائیں گے تو وکیل ناراض ہوجائیں گے۔ ڈاکٹروں کے حوالے سے فارماسیوٹیکل کمپنیوں کی ایجنٹی کی بات کریں گے تو وہ بپھر جائیں گے۔ تاجروں سے کہیں کہ حسابات امانت اور دیانت سے بنائیں تو وہ ناراض ہوجائیں گے۔ علما کو آئینہ دکھائیں تو وہ کوئی نہ کوئی فتویٰ داغ دیں گے۔ سب اپنے اپنے مفادات پر نظر رکھتے ہیں۔

غلامی کے دوسوسال ہم پر جو سسٹم مسلط رہا ہے، اس نے ہمارے رویے اور ماحول بدل دیا۔ اس غلط نظام میں سب جانتے ہیں کہ طاقت کے بل بوتے پر کام ہوتا ہے۔ ڈنڈے کے بل بوتے پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ ڈنڈے کے بل بوتے پر پولیس لوگوں کی جیبوں سے پیسے نکالتی ہے۔ اب ڈنڈا ہر ایک نے پکڑ لیا۔ کبھی مذہب کے نام لیوا ڈنڈا بردار فورس بنا کر میدان میں آجاتے ہیں۔ کبھی کالے کوٹ والے ڈنڈا لے کر ہسپتالوں پر حملے کردیتے ہیں۔ کبھی ڈاکٹر اپنے احتجاج کے نام پر سڑکیں بلاک کردیتے ہیں۔ ڈنڈا ہر جگہ چلایا جاتا ہے۔ عدل وانصاف اور اَخلاقیات کا کوئی سسٹم نہیں ہے۔ وعظ بہت ملیں گے۔ وکلا کے چیمبر میں چلے جائیں، قانون دانوں کے سیمینارز اور سمپوزیم میں چلے جائیں، لاء کالجوں اور میڈیکل کی یونیورسٹیوں میں جاکر دیکھیں، وہاں پر بڑے اچھے لیکچر دیں گے کہ قانون کی پابندی ہونی چاہیے، انسانی صحت کی بڑی اہمیت ہے وغیرہ وغیرہ، آسمان وزمین کے قلابے ملا دیں گے، لیکن ان تعلیمی اداروں نے اَخلاق اور رویے کیا سکھائے؟ چار پانچ سال تک پڑھ کر وکیل اور ڈاکٹر بننے والوں کے اندر اس نظامِ تعلیم نے کیا اَخلاقیات پیدا کیں؟ وہ ہمارے پیشِ نظر نہیں ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کا کام ہے کہ سب طبقوں کو نبیؐ کی سنت کی اساس پر، اُن کے امراض کی نشان دہی کرکے، اُن سے توبہ کروانا۔ ایسا نہ ہو کہ خود اہلِ علم ہی سوسائٹی کی تباہی اور بربادی میں حصہ دار بن جائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ: دو طبقے ایسے ہیں کہ اگر وہ ٹھیک ہوجائیں تو پوری سوسائٹی ٹھیک ہوجاتی ہے۔ اگر وہ دونوں خراب ہوجائیں تو پوری سوسائٹی خراب ہوجاتی ہے: ’’العلماء و الامراء‘‘ (رواہ ابونعیم فی الحلیۃ) (۱) اہلِ علم: وہ علما ہوں، پیر ہوں، ڈاکٹر ہوں، وکیل ہوں، انجینئر ہوں، یا علم کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں۔ (۲) حکمران: حکومتی اتھارٹی، سسٹم کا نفاذ اور اُس کو چلانے والے۔ آج ہمیں اپنے رویوں کو بدلنے کی ضرورت ہے اور رویے اچھے سسٹم کے بغیر نہیں آتے۔ سسٹم بدلنا تمام انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کا بنیادی ہدف رہا ہے۔ اس کو سمجھنا اور اس کے مطابق کردار ادا کرنا آج ہماری ذمہ داری ہے۔‘‘

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

میاں جیو نور محمد جھنجھانوی علویؒ

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بعد اُن کے جانشین حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ولی اللّٰہی تحریک کے دو وِنگ بنائے تھے: فکری وِنگ اور عسکری وِنگ۔ عسکری وِنگ میں حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی قیادت میں حریت پسندوں نے بیش بہا قربانیاں پیش کیں۔ انھیں حریت پسندوں میں ایک نام میاں جیو نور محمد جھنجھانویؒ کا بھی ہے، جنھوں نے نہ صرف خود اس تحریک میں عملی حصہ لیا، بلکہ ان کے جانشین اور خلفا نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں ولی اللّٰہی تحریک سے وابستگی کا حق ادا کیا۔

میاں جیو نور محمد جھنجھانویؒ کی ولادت ۱۲۰۱ھ/1787ء کو شاملی کے قریب ایک قصبے جھنجھانہ کے ایک زمین دار شیخ سیّد جمال محمدؒ کے ہاں ہوئی۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت علیؓ سے جاملتا ہے۔ وہ نجیب الطرفین تھے۔ ان کا لقب میاں جیو (میاں جی) تھا۔

میاں جیوؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں حاصل کی۔ قرآنِ حکیم حفظ کرنے اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے جانشین سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی زیرِ سرپرستی عربی اور فارسی کی تعلیم مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی۔ ایک روایت کے مطابق میاں جیو نور محمدؒ اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ اس عظیم درس گاہ میں ہم جماعت تھے۔ یہ اتفاق کی بات بھی ہے کہ ان دونوں اکابرین کا سالِ پیدائش بھی ایک ہی (1787ء) ہے۔ تاہم میاں جیو گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم ترک کرکے دہلی سے جھنجھانہ واپس تشریف لے آئے تھے۔

میاں جیوؒ کچھ عرصہ جھنجھانہ میں قیام کے بعد حسن پور لوہاری (تھانہ بھون کے قریب) کے ایک مدرسے میں قرآنِ حکیم اور فارسی زبان کے استاد کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ تحریکِ مجاہدین کے ایک نامور فرد حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ جن دنوں سہارن پور میں قیام فرما تھے تو اپنے ایک مریدِ خاص قاضی مغیث الدین سہارن پوریؒ کو جھنجھانہ بھیج کر میاں جیوؒ کو بلوایا اور ولی اللّٰہی تحریک کے نمایاں رہنما حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کروائی۔ موصوف نے لوہاری میں مرکز بنایا اور ولی اللّٰہی تحریک کا تعارف لوگوں میں کروایا۔ میاں جیو نور محمدؒ کی انھی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ آنے والے وقتوں میں اس علاقے کے لوگ ولی اللّٰہی تحریک کے لیے مالی قربانی میں پیش پیش رہے۔

ولی اللّٰہی تحریک کے مرکز مدرسہ رحیمیہ دہلی میں تربیت حاصل کرنے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ وطنِ عزیز کو اغیار کی غلامی سے نکالنے کا جذبہ میاں جیوؒ میں اعلیٰ درجے کا تھا۔ ان کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ اور انھوں نے حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی تحریکِ مجاہدین میں نمایاں کردار ادا کیا اور جہاد میں عملی طور پر بھی شریک رہے۔

تحریکِ مجاہدین میں جہاں حریت پسند اپنی جانوں کی بازی لگا رہے تھے، وہیں ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی، جو اس تحریک کی مالی امداد میں بھی پیش پیش تھے۔ خاص طور پر وہ علاقے جہاں ولی اللّٰہی تحریک کے قائدین نے آزادی و حریت کی روح پھونکی تھی۔ ایک جانب دہلی میں امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ تاریخ کی اس نمایاں تحریک کے فکری وِنگ کی قیادت فرما رہے تھے اور تحریکِ مجاہدین کی مالی امداد میں بھی سرگرم تھے تو دوسری جانب میاں جیو نور محمد جھنجھانویؒ اسی تحریک کی رہنمائی میں 'لوہاری' سے مالی قربانی کے جذبے سے سرشار لوگوں سے فنڈ وصول کرکے حضرت سیّد احمد شہیدؒ کو ارسال فرماتے تھے۔

لوہاری میں میاں جیو نور محمدؒ کا تعارف ایک حریت پسند، انسان دوست، رواداری اور جذبۂ حُبُّ الوطنی سے سرشار ایک بزرگ کا تھا۔ انھوں نے ضرورت مندوں کی حاجت روائی میں کبھی بھی تاخیر نہیں کی، بلکہ لوہاری کے مرکز میں بیٹھ کر انسانیت دوستی کی شمع روشن کرتے رہے۔ لوگ تشنہ کام آتے اور روحانیت کی بے پایاں دولت سے سیراب ہوکر واپس جاتے تھے۔ میاں جیوؒ کی انھی خوبیوں کے پیشِ نظر نہ صرف مسلمان، بلکہ غیر مسلم بھی ان سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے تھے۔ میاں جیو نور محمدؒ سے لوگوں کی محبت و اُلفت کا یہ عالَم تھا کہ جب کبھی ان کا بازار سے گزر ہوتا تو تمام دکان داران کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے تھے۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے میاں جیوؒ کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ''آپؒ کے زمانے میں ہندوستان کا دنیاوی پایۂ تخت تو دہلی تھا، لیکن روحانی پایۂ تخت 'لوہاری' تھا۔''

میاں جیو نور محمدؒ کے حلقا میں قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ اور سردارِ شہیداں حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ شامل ہیں۔ ان اکابرینؒ کی حریت و آزادی کی جدوجہد میں میاں جیو نور محمد جھنجھانویؒ کی حریت پسند طبیعت کا بھی عمل دخل ہے۔ میاں جیوؒ کی اس جماعت میں سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں ولی اللّٰہی جماعت کی قیادت فرمائی اور حافظ محمد ضامن شہیدؒ نے کچھ اس ذوق اور شوق سے دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کیا کہ ''سردارِ شہیداں'' کہلائے۔

ایک عالَم کو فکر و عمل کی دولت سے مالا مال کرنے کے بعد میاں جیو نور محمد جھنجھانویؒ نے تقریباً 59 سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ۴؍رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ/ 28؍ستمبر 1843ء بروز جمعۃ المبارک کو وصال فرما گئے۔ مادۂ تاریخِ وصال ''نور محمد در بہشت'' ہے۔ ان کا مزار مبارک ''احاطہ امام سیّد محمود شہید'' جھنجھانہ میں مرجعِ خلائق ہے۔ اُردو کے ایک مایۂ ناز شاعر مؤمن خاں مؤمن نے آپؒ کے بارے میں کہا ہے کہ ؎

خلیفہ نور محمدؒ وہ شمع بزمِ حضور
کہ جس سے زیرِ زمیں تا بہ آسماں روشن

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

حضرت مولانا محمد احمد قمر کا سانحۂ ارتحال

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے متوسل اور حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ (مجاز حضرت اقدس رائے پوریؒ وسابق مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ علومِ اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی) کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد احمد قمر 8/دسمبر 2019ء کی صبح کو 82 سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرما گئے۔ إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ راجعون.

آپؒ دہلی کے قریب شاہ جہان پور میں حکیم مختار حسن دہلویؒ کے گھر 1937ء میں پیدا ہوئے۔ آپؒ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کے داماد اور مولانا عبدالشہید نعمانی کے بہنوئی تھے۔ آپؒ نے جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے 1960ء میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ اس کے بعد جامعہ میں ہی درس وتدریس اور مختلف شعبوں میں نظامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جامعہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''بینات'' کے مرتب کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ اس دوران 1964ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے۔ حضرتؒ کی صحبت اختیار کی اور وقتاً فوقتاً سفر وحضر میں حضرت کی معیت میں رہنے کے لیے آتے رہے۔ اس سلسلے میں حضرتؒ سے خط وکتابت بھی رہی۔ آخر وقت تک حضرتؒ سے تعلق رکھا۔

1972ء میں سعودی عرب تشریف لے گئے، جہاں معروف یونیورسٹی جامعہ اُم القریٰ مکہ مکرمہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اسی کے ساتھ رابطہ عالم اسلامی کے مختلف شعبوں میں کام کرتے ہوئے کافی عرصے تک ڈائریکٹر بھی رہے۔ وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے وصال (1992ء) کے بعد اُن کے جانشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے آپؒ کا بدستور تعلق رہا۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے اسفارِ حج 1974ء اور 1982ء میں آپؒ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ حضرت رائے پوریؒ کے آخری سفرِ حج (2010ء) کے موقع پر باوجود بیماری اور ضعف کے جدہ سے اکثر حضرتؒ سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے اور حضرتؒ کے لیے دعوت کا اہتمام کرتے رہے۔

راقم الحروف 2017ء میں حجِ بیت اللہ کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوا تو مولاناؒ کے صاحبزادگان ڈاکٹر عبدالقاہر قمر، مولانا عبدالقادر قمر اور مولانا عبداللہ قمر (داماد حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ) نے ہمارے لیے مکہ مکرمہ میں واقع اپنے گھر دعوت کا بڑا اہتمام کیا۔ اس وقت مولاناؒ کی حالت بہت نازک تھی۔ گزشتہ تین سال سے مختلف امراض میں مبتلا تھے۔ انھوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ 8/دسمبر کو مولانا عبداللہ قمر کے واٹس ایپ میسج سے معلوم ہوا کہ مولاناؒ کا صبح تین بجے انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔ انھیں اپنے مشائخِ رائے پور اور اساتذۂ کرام کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین!

بقیہ

ناقابلِ فراموش واقعات

تھوڑی دیر بعد بولیں؛ میں نے اس مال کو وہاں رکھا ہے، جہاں رکھنا مناسب تھا۔ انشاء اللہ چند دن بعد بتاؤں گی۔ اتنے میں فجر کی نماز کا وقت ہو گیا تو مسجدِ نبویؐ پہنچ کر نماز ادا کی۔ پھر روضۂ رسول پر صلوٰۃ وسلام پڑھا۔ اشراق کے نوافل ادا کیے۔ جب مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ مسجد کے صحن میں بہت بڑی علمی مجلس جمی ہوئی ہے۔

لوگ نہایت ادب واحترام کے ساتھ شیخ کی علمی باتیں سن رہے ہیں۔ ان کے دل میں شیخ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، لیکن دور بیٹھے ہونے کی وجہ سے چہرہ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شیخ کی خوش بیانی، حیرت انگیز حافظہ اور علمی اندازِ گفتگو نے فروخ کے دل پر گویا جادو کر رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شیخ کی مجلس ختم ہوئی۔ لوگ آگے بڑھ کر مصافحہ کر رہے ہیں۔ فروخ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا: یہ شیخ کون ہیں؟ اس شخص نے تعجب سے کہا: آپ مدینہ منورہ میں نہیں رہتے؟ کیوں نہیں؟ میں مدینہ کا باسی ہوں۔ تو اس شخص نے کہا کہ: مدینہ میں ایسا کون ہے، جو اس شیخ کو نہیں جانتا۔ فروخ نے کہا: میں نہیں جانتا، کیوں کہ میں تیس سال قبل جہاد اور تبلیغ کے لیے مدینہ سے چلا گیا تھا۔ کل ہی واپس لوٹا ہوں۔ تو اس شخص نے کہا کہ یہ تابعین کے سردار نوعمری کے باوجود مدینہ کے محدث، فقیہ اور امام ہیں۔ ان کا نام ربیعہ ہے، لیکن مشائخ انھیں ربیعہ رائی کہتے ہیں۔ فروخ نے کہا کہ: یہ کس کے بیٹے ہیں؟ کہا کہ: یہ اس مجاہد کا بیٹا ہے، جس کا نام فروخ ہے اور ابوعبدالرحمن کنیت ہے۔ یہ سن کر فروخ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپکے۔

یہ جلدی سے گھر گئے۔ ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ بیوی نے پوچھا: ابوربیعہ! خیر تو ہے! آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں۔ کہا کہ: آج میں نے اپنی بیٹے کی نرالی شان دیکھی۔ یہ منظر دیکھ کر خوشی سے میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ مجھے اتنا بلند مقام بیٹا ملا۔ اُم ربیعہ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہا کہ آپ جو تیس ہزار دینار دے گئے تھے، وہ میں نے آپ کے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر خرچ کر دیے۔ کیا آپ اس پر خوش ہیں؟ فرخ نے کہا: مجھے پوری دنیا کے مال سے زیادہ اپنے بیٹے کا مقام اور محبوب ہے۔ اللہ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ تم نے مال کو صحیح جگہ پر خرچ کیا۔ اس واقعے سے درجِ ذیل سبق حاصل ہوتا ہے:

1۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت کریں۔

2۔ اگر اللہ نے مالی وسعت عطا فرمائی ہے تو اولاد کی تعلیم وتربیت کے لیے مال خرچ کرنے میں دریغ نہ کریں۔

3۔ اولاد کو بھی چاہیے کہ وہ حصولِ علم کے لیے خوب محنت کریں اور معاشرے کے لیے مفید وکارآمد بنیں۔

www.rahimia.org

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

ازحضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال کیا اذان کی طرح اقامت کا جواب بھی دیا جانا چاہیے؟ اگر ہاں تو پھر:

1۔ اذان اور اقامت کے جواب کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

2۔ خاص طور پر جمعہ کی دوسری اذان اور اقامت کا جواب دینا کیسا ہے؟ جب کہ مشہور یہ ہے کہ امام کے منبر پر آنے کے بعد نہ کوئی نماز ہوسکتی ہے اور نہ کوئی کلام کیا جاسکتا ہے۔

3۔ کیا اقامت میں بھی مؤذن مکبّر کو ''حیّ علی الصّلوٰۃ'' اور ''حیّ علی الفلاح'' میں دائیں بائیں چہرہ پھیرنا چاہیے یا نہیں؟

4۔ اذان کے بعد کی دعا میں مختلف الفاظ کا اضافہ نماز کے کئی کتابچوں میں ملتا ہے، مثلاً ''الدَّرَجَةَ الرَّفیعته''، ''وَ ارزُقنَا شَفَاعَتَهٗ'' اور ''إنّک لا تخلف المیعاد'' اور کئی میں نہیں، تو اصل دعا کیا ہے؟ سائل: مولانا ارشد نیاز، ماڈل ٹاؤن، چشتیاں

جواب اذان کی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے:

1۔ اذان کے دوران جو الفاظ مؤذن کہے، وہی الفاظ سننے والا دہرائے، مگر ''حیّ علی الصّلوٰۃ'' (آؤ نماز کی طرف) اور ''حیّ علی الفلاح'' (آؤ کامیابی کی طرف) کے جواب میں ''لا حول و لا قوّۃ إلّا باللّٰه'' کہے۔ (متفق علیہ)

صبح کی اذان میں ''الصّلوٰۃ خیر من النّوم'' (نماز نیند سے بہتر ہے) کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ وَ بِالْحَقِّ نَطَقْتَ'' (تُو نے صحیح اور درست کہا اور تُو حق کے ساتھ بولا) کہے۔ (شامی)

جب کہ اقامت میں جب مؤذن مکبّر ''قد قامتِ الصّلوٰۃ'' (نماز کھڑی ہوچکی) کہے تو اُس کے جواب میں سننے والا ''أقامها اللّٰه و أدامها'' (اللہ تعالیٰ نماز کو قائم رکھے اور ہمیشہ رکھے) کہے۔ (درمختار)

2۔ جمعہ کی دوسری اذان کے جواب کے متعلق اگرچہ مشہور یہی ہے کہ جواب دینا مکروہ ہے، مگر درجِ ذیل حدیث کی بنا پر اس کا حکم بھی دیگر اذانوں کی طرح معلوم ہوتا ہے:

امام بخاریؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے کہ حضرت معاویہؓ منبر پر تشریف فرما تھے۔ جب مؤذن نے جمعہ کی اذان دی تو جواب میں آپؓ نے ''اللہ اکبر'' کہا اور شہادتین کا جواب ''و أنا'' (یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں) کہہ کر دیا۔ جب اذان مکمل ہوگئی تو فرمایا کہ:

''میں نے رسول اللہؐ سے اس موقع پر مؤذن کے جواب میں ایسے ہی سنا، جو تم نے مجھ سے سنا۔'' (بخاری شریف، باب یجب الإمام علیٰ المنبر إذ السمع السنداء)

جمعہ کی اقامت کا حکم بھی باقی نمازوں کی طرح ہے۔

3۔ صرف اذان کے لیے ''حیّ علی الصّلوٰۃ'' اور ''حیّ علی الفلاح'' میں رُخ پھیرنے کا حکم ہے، اقامت میں نہیں۔

4۔ اذان کے بعد درود شریف پڑھ کر درج ذیل دعا پڑھنا سنت ہے: ''اللّٰهمّ ربّ هٰذهِ الدّعوۃ التّامّة، و الصّلوٰۃ القائمة، آت محمّدنِ الوسیلة، و الفضیلة، و ابعثه مقاماً محمودنِ الّذی وعدتّهٗ.'' (صحیح بخاری)

اس دعا کے آخر میں ''إنّک لا تُخلف المِیعاد'' کا اضافہ سنن کبریٰ بیہقی سے ثابت ہے، البتہ باقی دونوں اضافوں کو شُرّاحِ حدیث نے بے اصل قرار دیا ہے۔

حمدیہ کلام — رضوان رسول، ساہیوال

مناجات بہ درگاہِ قاضی الحاجات

شبِ تاریک میں صبح کے اُجالے گھولنے والے
گھِرا ہوں ظلمتوں میں ، مجھ کو بھی نورِ ہدایت دے

شجر کو بیج کے مرکز میں رکھ کے پالنے والے
مرے خوابیدہ جذبوں کو کمالِ آدمیت دے

ہوئی ہے طالبِ عفو و کرم اب معصیت میری
حضورِ شافعِ روزِ جزا اِذنِ شفاعت دے

ہمارے قلب سے غفلت کی کالک کو مٹا ڈالیں
ہمیں ان صادقیں ، ان صالحیں کی نیک صحبت دے

شعور و آگہی بیدار ہو جن کی مجالس میں
ہمیں ان صاحبانِ عقل و دانش کی قرابت دے

عطا تفہیمِ قرآں کر ، سمجھ دینِ متیں کی دے
عطا حسنِ عمل ہو ، اور اس پر استقامت دے

طلب حق کی ، بھٹکتی ہے جہالت کے سرابوں میں
بصیرت دے ، بصارت دے ، فراست دے ، فقاہت دے

علاجِ درد و غم انسانیت کا جس سے ہو ممکن
وہی تنظیمِ ملت دے ، وہی صالح قیادت دے

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔